

# غالب اور مشورہ دشت نوردی

محمد شبیر پٹیل

مکان نمبر: 1-5-9 صبیہ کالونی، گاڑے گاؤں روڈ کارنر، دیگورنا کہ ناندیڑ، مہاراشٹر، موبائل: 9960169862

کندھے اُچکائے وہیں بیگم حسبِ عادت ہم کو منٹسکی نگاہوں سے گھورنے لگیں۔ گوشوں، کناروں اور چلمنوں کو ہٹا کر دیکھنے لگیں کہ کہیں ہم اُن کی عقابنی نظروں سے کوئی چیز چھپا تو نہیں رہے ہیں؟ جالوں کی صفائی سے فراغت پانے کے بعد ہم رات والے خواب پر غور کرنے لگے۔ مکڑا، مکھی، اسپتال، نرسوں کی مسلح فوج۔ ایک طرح سے خیالوں کا مکڑ جال ہمارے ذہن پر تن گیا۔ ہم نے اسے اپنی پریشان خیالی گردانتے ہوئے لاجول پڑھا، مگر خواب ذہن سے کسی طرح بھی محو نہ ہوا۔ ہمیں لگا کہ یہ خواب کہیں کوئی غیبی اشارہ تو نہیں ورنہ علامہ اقبال کا مکڑ اور مکھی ہمارے خواب میں کیوں قدم رنج فرماتے؟

دواخانوں سے ہمیں پہلے ہی ڈر لگتا ہے۔ ہم دل ہی دل میں دعا کرنے لگے کہ اللہ مکڑ جال نما اسپتالوں سے ہر ایک کو بچائے۔ کیونکہ آج کل ہمارے اندر ذہنی اور جسمانی کمزوریاں سر اٹھا رہی ہیں۔ نسیان کا عالم دیکھئے کہ اگر ہمیں ہمارے فرزند کلاں کو مخاطب کرنا ہو تو چھوٹے چاروں لڑکوں کے نام لے کر اُسے پکاریں گے، مگر مطلوبہ لڑکے کا نام زبان پر آجائے تو قسم لے لیجئے! یہ تو ہوئی ذہنی حالت۔ جسمانی حالت بھی دگرگوں ہے۔ خاص کر ہمارے گھٹنوں میں درد ہونے لگا ہے۔ ہمارے نزدیک گھٹنوں کا درد شوگر اور بی پی جیسی بیماریوں سے بھی خطرناک ہوتا ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور آدمی کو نماز میں سجدے کی سعادت سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ گھٹنوں میں درد کے شروع ہوتے ہی آدمی کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اب وہ بوڑھا ہو رہا ہے اور اس احساس کے ساتھ ہی دل سے خیال یار کا دامن بھی چھوٹنے لگتا ہے۔

جب پہلی دفعہ ہمارے گھٹنوں میں درد نے انگڑائی لی تھی تو ہم بہت نروس ہو گئے تھے۔ ہمیں لگا کہ یہ کیا؟ ابھی اللہ کے آگے ٹھیک سے

علامہ اقبال کی ایک نظم کے کردار مکڑ اور مکھی کل رات ہمیں خواب میں نظر آئے۔ نظم میں بیان کردہ مکالمات دونوں کے درمیان جاری تھے۔ جیسے ہی مکھی مکڑے کی چکنی چڑی باتوں میں آکر جال میں پھنس گئی تو اچانک ہم کیادیکھتے ہیں کہ مکڑے نے ڈاکٹر کا روپ دھارن کر لیا۔ جال بڑے اسپتال میں بدل گیا اور مکھی کی جگہ ہم پھنس گئے۔ ہمیں ایک بڑے آپریشن ٹیبل پر لٹایا گیا ہے اور پری چہرہ نرسیں خطرناک قسم کے اوزار ٹرے میں سجائے کھڑی ہیں۔ آپریشن تھیٹر کے باہر ہمارے عزیز واقارب بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے ہمارا سینہ چیر کر دل باہر نکالا اور ایک خوبصورت نرس کے حوالے کر دیا۔ (ہم خود بھی ایسا ہی کرنے والے تھے کیونکہ ہم کو دل دینے پر ذرا بھی غور نہیں) پھر اچانک ہماری بیگم آپریشن تھیٹر میں آدھمکتی ہیں اور ڈاکٹر انہیں ہمارے دل سے برآمد کردہ تیرنیم کش، کچھ تصویر بتاں، چند حسیناؤں کے خطوط نکال نکال کر دکھا رہے ہیں۔ (گویا ہمارا دل نہیں کسی سپاہی کا ترکش یا خطوط رساں کا تھیلا ہو؟) یہ دیکھ کر بیگم آپے سے باہر ہوتی جاری ہیں اور بیگم کا ہاتھ ان اوزاروں کی جانب بڑھنے لگا جو نرسیں لیے کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر نے تو سینہ چاک کیا تھا، مگر ایسا لگتا تھا کہ بیگم ہمارا گلا ہی کاٹ ڈالیں گی۔ ہم اس ڈراؤنے خواب سے گھبرا کر جاگ گئے۔ یہ اچھا ہوا کہ ہماری چیخ نہیں نکلی ورنہ بیگم کہتیں کہ آپ بھی کیا بچوں کی طرح نیند میں ڈر کر جاگ جاتے ہیں۔

ہمیں خواب کی تعبیر بنانا تو نہیں آتی، مگر اس خواب کا ہمارے ہوش و حواس پر ایسا اثر ہوا کہ ہم مکڑ اور مکڑ جالوں کو دیکھ کر خوف کھانے لگے۔ اس بلا سے کوئی گھر خالی نہیں کہ مصداق بھلا کون سا گھر ہوگا جہاں مکڑیوں کے جالے نہیں؟ صبح اُٹھتے ہی ہم نے سب سے پہلے ہاتھ میں جھاڑولی اور مکڑ جالوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر صاف کرنے لگے۔ ہمارے ہاتھوں میں غیر متوقع طور پر جھاڑو دیکھ کر جہاں ہمارے بچوں نے

کے اشعار پڑھ کر تو یہی لگتا ہے کہ وہ گھٹنوں کے درد سے آزاد تھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ اگر اُن کے گھٹنوں میں درد ہوتا تو کیا وہ رقیبوں کے در پر ہزار بار جانے کی جسارت کرتے؟ یا مع در گھٹنا یہ شعر کہتے:

میری رفتار میں بھاگے ہے بیاباں مجھ سے  
غالب کے ان اشعار کو پڑھ کر تو یہی لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو  
ہمیشہ فعال و متحرک رکھتے تھے۔ اس لیے گھٹنوں کا درد ان کے پاس پھنکا  
بھی نہیں:

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ  
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

شعروں کے انتخاب نے غالب کو تو رسوا کیا، مگر اُن کے اشعار  
پڑھ کر ہم پر یہ عقده کھلا اور دماغ میں ایک روشنی سی ہوئی جیسے غالب کہہ  
رہے ہوں کہ ”میاں لڑکے اگر جاق و چو بندر ہنا چاہتے ہو تو میری طرح  
دشت نوردی کرو، اپنے آپ کو متحرک رکھو۔“ بس پھر کیا تھا غالب سے  
ہمیں ترغیب مل گئی اور ہم نے اپنے آپ کو متحرک رکھنے کا ارادہ کر لیا۔  
بھلے ہی ہم کو رقیب کے گھر ہزار بار کیوں نہ جانا پڑے، مگر اس میں یہ  
خطرہ ہے کہ آج کل کے رقیب غالب کے زمانہ کے رقیبوں کی طرح  
صبر آزا نہیں ہیں۔ کوئی عاشق معشوق کا پیچھا کرتا ہوا اس کے در پر ایک  
بار بھی آئے تو صحیح سلامت واپس جانے کی ضمانت نہیں۔ دوسری بات  
آج کل کو تو اس شہر نے ایک ایسا دستہ قائم کر رکھا ہے جس کا کام اُن  
عاشقوں کی گوشالی کرنا ہوتا ہے جو معشوق کا پیچھا کرتے ہوئے رقیب  
کے در پر جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ستم ظریفی دیکھئے اُس دستہ کا نام  
’چیڑی مار دستہ رکھا گیا ہے۔‘ ’چیڑی‘ بھی کوئی ڈھنگ کا لقب ہے عاشق  
کے لیے۔ اس دستہ کا نام کم از کم ’عاشق مار دستہ‘ یا ’مجنوں کش دستہ‘ رکھا  
جانا چاہئے تھا۔ غالب بھی تو فرما گئے:

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد  
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی عاشق کے بجائے ’چیڑی‘ کہلائے۔  
لہذا ہم نے رقیب کے در پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے آپ کو  
متحرک رکھنے کے لیے کوئی دوسرا باعث طریقہ تلاش کرنے لگے۔ آخر  
کا رقرعہ فال بنام من دیوانہ زوند کے مصداق صبح کی چہل قدمی پر نکلتا  
طے پایا۔

پہلے پہلے تو ہم اکیلے ہی چلتے رہے۔ بعد میں ہمہ اقسام کے لوگ

فروری ۲۰۱۹

گھٹنے ٹیکے بھی نہیں اور یہ درد؟ ایک بزرگ کو جب ہم نے اپنی پیتاسنائی  
تو انھوں نے کہا کہ پریشان کیوں ہوتے ہو میری طرح کرسی پر بیٹھ کر  
نماز پڑھ لیا کرو، مگر اُن کے مشورہ پر عمل کرنے میں قباحت یہ تھی کہ ہمیں  
ضعیفوں کی طرح کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں شرم آتی ہے۔ گھٹنے میں  
درد کے باوجود دل سے یہی صدائیں نکلتی ہیں کہ ابھی تو میں جوان  
ہوں۔ دوسرے ایک بزرگ نے راز دارانہ طور پر ہمیں یہ مشورہ دیا کہ تم  
بھی میری طرح صرف یہ زبانی وظیفہ پڑھ لیا کرو ”کھائے طعام، کرے  
آرام، اللہ کو سجدہ، پیغمبر کو سلام۔ اللہ کی پناہ! بزرگ کا یہ مشورہ تو ہمیں  
عبادت کی جگہ زبانی جمع خرچ کے مترادف لگا۔ پھر اچانک ہمیں ایک  
شعرا یاد آیا:

گھر سے مسجد ہے بہت دور، چلو یوں کر لیں

کسی روتے ہوئے بچے کو ہنسایا جائے

چونکہ ہمارے گھر سے بھی مسجد ذرا دور ہی ہے اور ہمارے گھٹنوں  
میں درد بھی رہتا ہے۔ اس لیے یہ مشورہ ہمیں پسند آیا۔ لہذا ہم کسی  
روتے ہوئے بچے کو ہنسانے کی خاطر گھر سے نکل پڑے۔ اتفاقاً ہمیں  
ایک روتا ہوا بچہ نظر آ گیا۔ ہم اس کے پاس پہنچ کر اُسے منانے کی کوشش  
کرنے لگے۔ اُسے بہتیرا سمجھایا کہ ”بیٹا! اچھے بچے رو یا نہیں کرتے“۔  
پھر ہم نے اُسے ثانی اور کھلونے دلانے کا لالچ بھی دیا۔ اس پر بچے نے  
جو کچھ کہا اُسے سن کر ہم بوکھلا گئے۔ اُس نے کہا ”انکل! میں ثانی اور  
کھلونوں کے لیے نہیں رو رہا ہوں بلکہ مسجد جانے کے لیے رو رہا ہوں۔  
میرے اُونے وعدہ کیا تھا کہ آج مجھے مسجد لے جائیں گے، مگر وہ اکیلے  
ہی چلے گئے۔ چارونا چار ہمیں اُس روتے ہوئے بچے کے ہمراہ مسجد کو  
جانا ہی پڑا۔ اس طرح اُس معصوم بچے کے ذریعہ ہمیں یہ درس ملا کہ  
مومن کے لیے روتے ہوئے بچے کو ہنسانا اور مسجد جاننا دونوں ضروری  
ہے۔

جب ہمیں اس بات کا علم ہوا کہ کئی مشاہیر عالم کے گھٹنوں میں  
بھی درد تھا تو پھر ہم جیسے ہمہ شما کی حیثیت ہی کیا۔ تب جا کر ہماری  
ڈھارس بندھی۔ مغلوں کے جدِ اعلیٰ تیمور لنگ کے گھٹنے میں بھی درد تھا۔  
ایک پیر لنگ اور دوسرے میں گھٹنے کا درد یعنی ایک نہ شد و شد۔ اتنا ہی  
نہیں تیمور لنگ نے جس وقت روم پر حملہ کیا اور یلدروم (شاہِ روم) کو دو  
بدو جنگ کے لیے لاکارا تو اتفاق دیکھئے کہ اُس وقت یلدروم کے گھٹنوں  
میں بھی درد تھا، مگر مرزا غالب اس معاملے میں خوش نصیب تھے۔ اُن

ایوان اردو، دہلی

گوشت کی تعریف ہوتی رہی۔ ڈاکٹر صاحب بھی گوشت کے فضائل بیان کرنے لگے۔ انھوں نے کچھ دلچسپ باتیں بتائیں کہ جو بکرے کا دماغ کھائے گا اس کا ذہن تیز ہوگا۔ جو بکرے کی زبان کھائے گا اس کی زبان فیچی کی طرح چلے گی۔ غرض یہ کہ بکرے کی ہر چیز فائدہ مند ہوتی ہے۔ ہر بار ایک زوردار تہقہہ لگا۔ ہوٹل کب پہنچے پتہ ہی نہ چلا۔ بہر حال پائے سب نے شکم سیر ہو کر کھائے۔ اُس دن شام کو ہم سب ممبران شادی کی ایک تقریب میں مدعو تھے۔ اتفاق دیکھئے کہ وہاں عقد کے بعد بکرے کی ہی بریانی کھانے کو ملی۔ اس پر تکلف دعوت کا ایسا اثر ہوا کہ میں صبح کی چہل قدمی پر نہ جا سکا۔ تیسرے روز جب وہاں پہنچا تو ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے غیر حاضری کی وجہ دریافت کی پھر رجسٹر کھول کر ہمارا جواب اُس میں درج کرنے لگے۔ ہم نے جو جواب قلم بند کروا یا وہ کچھ اس طرح تھا کہ ”چونکہ اُس دن صبح سے ہی ہم سب نے بکرے کو پاؤں کی جانب سے کھانا شروع کیا تھا اور اتفاقاً اُس روز شام کو بھی بکرا بریانی ہی کھانے میں آئی۔ اس غذا نے میرے اندر شتابہ کا کام کیا۔“ ڈاکٹر صاحب نے قلم روک کر ہم سے پوچھا ”تو کیا اُس رات بکرا منمنایا؟“ ہم نے کہا ”جی نہیں! اُس رات بکرے نے رسی توڑ دی“۔ یہ سنتے ہی سب نے ایک زوردار تہقہہ لگایا۔

○○

ہمارے ساتھ آتے گئے۔ جب تعداد اچھی خاصی بڑھ گئی تو ہم سب نے مل کر چہل قدمی کرنے والوں کی انجمن قائم کر ڈالی۔ اس انجمن میں شمولیت کے قانون وضع کئے گئے۔ ممبران میں اکثریت بسیار خوروں کی تھی۔ کسی نئے ممبر کو اس انجمن میں شمولیت اختیار کرنی ہو تو اُسے سارے ممبران کی ایک پر تکلف دعوت کرنی پڑتی۔ ہر ممبر سے یہ عہد لیا جاتا کہ بغیر کسی معقول وجہ کے صبح کی چہل قدمی سے غیر حاضر نہیں رہے گا ورنہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ انجمن کے موجودہ صدر پیشہ سے ڈاکٹر ہیں اور کھانے کے بہت شوقین۔ ان کے پاس ایک رجسٹر ہوتا ہے۔ جس میں روزانہ حاضری لی جاتی ہے۔ اس رجسٹر میں ممبران کی غیر حاضری کی وجوہات ڈاکٹر صاحب من و عن درج کرتے ہیں۔ شہر کے باہر تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نیاریلوے اسٹیشن بنایا گیا ہے۔ ابھی وہاں گاڑیاں نہیں ٹھہرتیں۔ اسی لیے وہاں کے اور برتج پر صبح ہم ہوا خوروں کا قبضہ ہوتا ہے۔ وہیں بیٹھ کر ہم لوگ ورزش کے نام پر کچھ ڈھنگی بے ڈھنگی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہاں سے واپسی بڑی مزیدار ہوتی ہے۔ راستے میں ٹھیلوں پر فروخت ہونے والا بیر ہو یا امرود، انگور ہو یا پیپتہ بلہ بول دیا جاتا ہے۔

ایک روز واپسی پر ہوٹل جا کر بکرے کے پائے کھانا طے پایا۔ پھر کیا منچیلوں کی فوج ہوٹل کی جانب نکل پڑی۔ راستہ بھر بکرے کے

## ابن صفی: شخصیت اور فن کے آئینے میں

اردو ادب میں ابن صفی کی گراں قدر خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر ان کی خدمات کا اعتراف بہت کم ہوا ہے۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ تمام ذہنی تحفظات سے بلند ہو کر معروضی انداز میں ان کے ادبی مقام کا تعین کیا جائے تاکہ نئی نسلیں ان کی تخلیقی فتوحات سے واقف ہو سکیں اور ان کے لائق رشک طرز نگارش، غیر معمولی حس مزاج، ذہانت، ذکاوت اور حیرت انگیز زود نویسی کے باوصف فکرو فن کی تازگی کو برقرار رکھنے کی زبردست صلاحیت کا ادراک و احساس کر سکیں۔ ایسے ہر دلعزیز تخلیق کار کا کھلے دل سے اعتراف کرنے کے لیے اردو اکادمی، دہلی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس سمینار کے بیس فکرا نگیز مقالات پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے مفید مطلب بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی۔

مرتبین: خالد محمود، خالد جاوید، صفحات: ۲۲۸، قیمت: ۱۵۰ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی